کلامِ اقبال (اردو)
فرہنگ وحواشی

احمد جاوید

۱۔کلام اقبال (اردو) فرہنگ وحواشی کا منصوبہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔
۲۔حواشی میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
الف:۔اعلام اور تلمیحات : یعنی اقبال نے جن شخصیات، واقعات، مقامات وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے یا ان کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کا ضروری تعارف۔
ب:۔مشکلات......یعنی ایسے مقامات جہاں خیال دقیق ہو یا الفاظ مشکل ہوں یا کوئی بنیادی تصور بیان ہوا ہو۔ ان مقامات کی تشریح ، توضیح اور تفصیل۔ اس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ عام قاری کی مشکل کو سادہ اسلوب میں حل کیا جائے اور وہ مقامات جہاں اہل علم الجھ سکتے ہیں یا غور وفکر پر مجبور ہو سکتے ہیں، ان پر علمی انداز سے قلم اٹھایا جائے تا کہ اس خیال اور تصور کی عظمت جسے عام سطح تک نہیں لایا جا سکتا، مجروح نہ ہو۔
ج:۔تکنیکی اور فنی محاسن: یعنی شعر میں پائی جانے والی لفظی رعایتوں، معنوی مناسبتوں اور فنی باریکیوں کا تجزیہ۔
۳۔فرہنگ میں کلیدی الفاظ اور اصطلاحات کو کھولا گیا ہے اور اس میں بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا ہے جو حواشی کی شق ''ب'' میں بیان ہوا۔ ہر لفظ اور اصطلاح کے تمام معانی ایک ہی اندراج میں نہیں دیے گئے۔ ہر اندراج میں وہی معنی لکھے گئے ہیں جو اس خاص مقام پر اقبال کے پیش نظر تھے۔حتمی تدوین کے بعد کسی لفظ کے تمام معنوی پہلو یکجا حالت میں سامنے آ جائیں گے۔

o

صفحات ذیل میں فرہنگ وحواشی کے چند نمونے قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔

ص نمبر ۷۰۴ کلیات

کوئی دیکھے تو میری نَے نوازی
نفس ہندی، مقامِ نغمہ تازی
نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

۱) ''اس رباعی میں اقبال نے انتہائی اختصار کے ساتھ اپنی پوری زندگی بیان کر دی ہے۔ یعنی میں ہندستان میں پیدا ہوا، جو پیغام دیتا رہا وہ عربی تھا۔ یورپی علوم حاصل کرنے کے باعث میری نظر میں یورپ کا اثر کم وبیش باقی رہا اور طبیعت، غنا اور بے نیازی کے اعتبار سے شاہانہ تھی لیکن قسمت ایسی پائی کہ کسب معاش کے لیے جو کچھ کرتا رہا وہ اگر چہ کتنا ہی خود دارانہ تھا، تاہم اس میں دوسروں سے کامل بے نیازی میسر نہ آ سکی، لہٰذا اِسے ایازی ہی سمجھنا چاہیے۔ (''مطالب''، ص ۱۰۵)

۲) اقبال نے ایک ایک مصرعے میں اپنی شاعری، فکر اور شخصیت کو کھولا ہے۔ میری شاعری گویا بانسری بجانے کا عمل ہے۔ پھونک ہندی ہے جو عربی نغمے میں ڈھل کر نکلتی ہے۔ یعنی میری تخلیقی قوت ہندستانی رنگ رکھتی ہے لیکن اس کا اظہار عربی آہنگ میں ہوتا ہے۔ ''نفس'' ان لفظوں میں سے ہے جو اقبال کے ہاں بار بار آتے ہیں اور کبھی کسی ایک معنی تک محدود نہیں ہوتے۔ اس کے کئی معنی ہیں جن میں مرکزی اور فوری مفہوم ''سانس'' کا ہے جو نفس کا اصلی مطلب ہے، باقی معانی اسی مطلب سے پھوٹتے ہیں اور اسی کے حوالے سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں نفس جس معنوی کثرت اور تدریج کا حامل ہے، اس کا ایک خاکہ بنایا جائے تو کچھ یوں بنے گا:

گویانفس کی معنوی جہات اپنی اپنی اندرونی تدریج کے ساتھ ایک مشترک

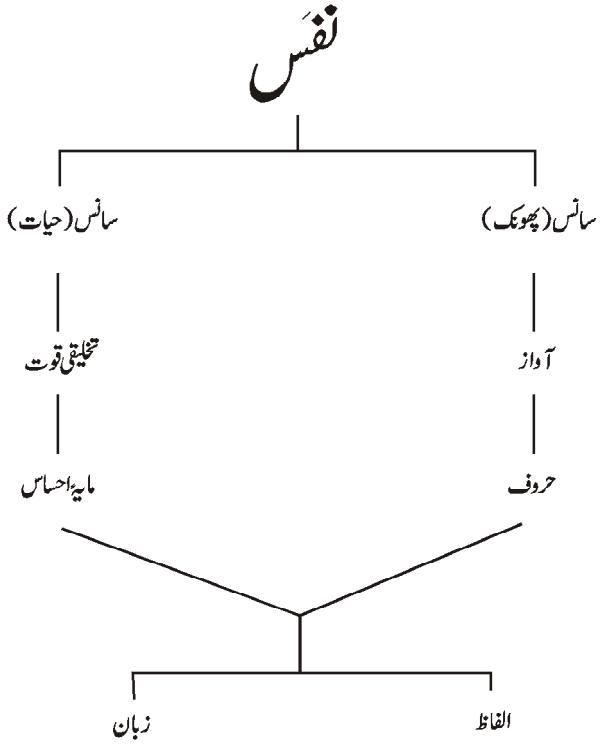

نقطے پر تمام ہوتی ہیں۔ لفظ اور زبان ایک خفیف سے فرق کے باوجود ہم معنی ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ لفظ اور زبان، دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ معنی۔ تاہم لفظ کو معنی سے براہ راست نسبت ہے جبکہ زبان کو یہ نسبت لفظ کے واسطے سے میسر آتی ہے۔ اس توضیح کے مطابق 'نفس ہندی' کا مطلب ہوگا: 'لفظ اور زبان میں ہندوستانی۔ یہاں اس مطلب کے حصول کا پورا سفر بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔

'نفس' بمعنی لفظ کی مناسبت سے 'مقام' کا مطلب متعین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ آواز کی لہر میں اتار چڑھاؤ پیدا کر کے بعض صوتی تشکیلات وجود میں آتی ہیں جو مختلف معانی، تاثرات اور احساسات پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ہر تشکیل ایک 'مقام' ہے۔ یعنی وہ بنیاد جس پر نغمہ اپنی انفرادی اور مخصوص حیثیت کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ موسیقی کی اصطلاح میں 'مقام' سُر اور آہنگ ہے جو کسی خاص معنی و کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں 'مقام' کو معنی قرار دیا

جا سکتا ہے۔ 'نفس' قوتِ اظہار ہے اور 'مقام' روحِ اظہار۔ نغمہ نے ان دونوں کا مرکب ہے' یعنی اقبال کی شاعری میں لفظ تو ہندستانی ہے مگر معنیٰ عربی۔ یا بالفاظ دیگر' اس کی زبان تو غیر قرآنی ہے لیکن پیغام سراسر قرآنی۔

۱:۲۔ تیسرے مصرعے میں اقبال نے اپنی فکر کی ماہیت بیان کی ہے کہ میرا چیزوں کو دیکھنے کا انداز مغربی ہے، یعنی میرا فکری سانچا مغربی علوم کے زیرِ اثر تیار ہوا ہے لہٰذا نہ چاہنے کے باوجود دینی اور مابعد الطّبیعی حقائق کو بھی اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں جو میں نے مغرب کے فلسفے' سائنس، نفسیات وغیرہ سے اخذ کیا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام اپنے ایک خط میں اقبال نے یہی بات لکھی ہے۔

> ....میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعے میں گزری ہے' اور یہ نقطۂ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطۂ نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں۔'' (''کلیات مکاتیب اقبال''، ج ۲ ص ۵۹۹)

اقبال نے یہ بات خود کو جس طرح نشانۂ تحقیر و ملامت بنا کر کی ہے' اس کی مثال بڑے لوگوں ہی میں مل سکتی ہے۔ ہماری نظر میں فکرِ اقبال نتائج کے اعتبار سے دینی اور استدلال کے لحاظ سے جدید ہے، اور یہ اجتماع کسی بڑے ذہن ہی میں ہوسکتا ہے۔

۲:۲۔ طبیعت غزنوی' قسمت ایازی۔ یہ علامہ کی شخصیت کے ایک گوشے کا بیان ہے جس کی مولنٰا مہر نے اچھی شرح کی ہے۔ اس کا اقتباس اوپر دیا جا چکا ہے۔ دیکھیں: شق ۱۔

۳۔ اس رباعی کے فنی اور معنوی محاسن:

۱:۳۔ نَے نوازی' بمعنی بانسری بجانا' 'نفس' بمعنی بانسری بجانے والے کا سانس' اور 'مقامِ نغمہ' بمعنی بانسری کے سوراخ' میں ظاہری مناسبت ہے۔

۲:۳۔ نَے نوازی' بمعنی شاعری' 'نفس' بمعنی لفظ' اور 'مقام نغمہ' بمعنی معنی و کیفیت میں داخلی مناسبت ہے۔

۳:۳۔ نَے نوازی' بمعنی 'شاعری' 'نفس' بمعنی تخلیقی رَو' اور 'مقام نغمہ' بمعنی 'تخلیقی رو کا سرچشمہ' ایک ہی کل کے اجزا ہیں۔

۳:۳۔ 'بَے نوازی' بمعنی 'فن شعر' 'نفس' بمعنی 'فنی' ریاضت اور 'مقام' نغمہ بمعنی 'مقصد فن' کے بھی ایسے معنی نکلتے ہیں جو اقبال کی شاعری سے مطابقت رکھتے ہیں۔

۴:۳۔ 'نَے نوازی' سے رومی کا تصور بھی ابھرتا ہے' یعنی اصل نَے نواز تو رومی تھے' میں تو ان کی تان میں تان ملانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ مطلب 'کوئی دیکھے تو' کے استہزائیہ انداز سے نکلتا ہے۔

۵:۳۔ 'نفس ہندی' 'مقام نغمہ تازی' اور 'انداز افرنگ' نفس'...... روح اور عقل کے باہمی تضادات ہیں جو ایک شخصیت میں جمع ہو گئے ہیں۔

۶:۳۔ 'غزنوی' اور 'ایازی' کا تضاد واضح ہے۔

۷:۳۔ اصل تضاد 'نفس' اور 'مقام' میں ہے۔ نفس یعنی سانس کا اصول، حرکت اور فنا ہے اور یہ 'سفر' طبیعت' جسم' نسل اور وطن کا مظہر ہے...... جبکہ 'مقام' کا اصول، استقلال اور دوام ہے اور یہ منزل' مقصد' روحانیت' قلب' وحدت اور آفاقیت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دونوں اپنے ہر جزو میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

O

صفحہ کلیات ۴۳۸

قلب ونظر کی زندگی، دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندّیاں رواں

''ذوق وشوق'' کا یہ پہلا شعر گویا وہ بیج ہے جس سے یہ عظیم نظم درخت کی طرح پھوٹی ہے۔ اس کے لفظ لفظ کو کھولنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ اس گہرائی اور پھیلاؤ کا کچھ اندازہ ہو جائے جو اس شعر میں پایا جاتا ہے اور جس نے پوری نظم کو اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے:

۱) **قلب ونظر:** دونوں کا کام مشاہدہ ہے۔ قلب' حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے اور نظر' صورت کا۔ چونکہ دونوں کے مشاہدے کا ہدف ایک ہی ہے' یعنی جمالِ حق' لہٰذا قلب، نظر کو حقیقت سے مانوس رکھتا ہے اور نظر' صورت کو قلب سے اوجھل نہیں رہنے دیتی۔ اس طرح دونوں اپنے اپنے مشاہدات کو آپس میں جوڑ کر وہ کُلیّت تشکیل دیتے ہیں جس کے بروے کار نہ آنے سے مشہود ادھورا رہ جاتا ہے۔ یہ کُلیّت قلب میں صرف ہو کر معرفت اور عشق کا حال پیدا کرتی ہے۔

۲) **قلب ونظر کی زندگی:** یعنی حقیقتِ جمال اور صورتِ جمال کا مشاہدہ قلب ونظر کی روح ہے۔ 'زندگی' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ دل اور آنکھ کا موضوع جمال ہے۔

۳) **دشت:** اس کی دو جہتیں ہیں' واقعی اور علامتی۔ اپنی واقعی جہت میں یہ دشت مدینہ، یا اور پھیلا کر دیکھیں تو دشت حجاز ہے' یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مولد ومسکن۔ اس کے علامتی معنی بھی اس واقعی جہت سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہاں یہ زمین کا بے پردہ اور خالص روپ ہے جس پر کوئی اضافی اورآرایشی تہ نہیں چڑھی۔ یہ انسانی باطن کی اس حالت کا آئینہ دار ہے جب وہ اپنی اصلی وفطری سادگی اور پاکیزگی کے ساتھ' حق کے آگے ایک کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔

۴) **صبح:** آسمان کے حوالے سے 'صبح' کے وہی معنی ہیں جو زمین کے حوالے سے 'دشت' کے ہیں۔ صبح' آسمان کا اظہار ہے...... روشن، پورا اور خالص۔ البتہ زمین کا اصول انفعال اور قبولیت ہے جبکہ آسمان فعلیت اور فیضان سے عبارت ہے۔

۵) **دشت میں صبح کا سماں:**

۱:۵۔فعل وانفعال اور فیضان وقبولیت کا کامل اِتّصال، جس سے حق کا ظہور انفس میں بھی مکمل ہو جاتا ہے اور آفاق میں بھی۔

۲:۵۔ظہورِ حق اور اس کی پوری قبولیت کا وقت

۳:۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کائناتی آثار کے ظاہر ہونے کا سماں اپنے اصلی ماحول کے ساتھ

۶) **چشمۂ آفتاب:** عربی کے 'عین الشّمس' کا فارسی ترجمہ۔ اس ترکیب میں معنی اور اظہار کی کئی سطحیں پائی جاتی ہیں' مثلاً:

۱:۶۔سورج ایک چشمہ ہے جس سے روشنی ابل ابل کر پھوٹتی رہتی ہے۔

۲:۶۔سورج' نور کا سرچشمہ اور حرارت کا منبع ہے۔

۳:۶۔'چشمہ' اپنی ظاہری اور معنوی ساخت میں جمال سے مناسبت رکھتا ہے، جبکہ آفتاب جلال ہی جلال ہے۔ اس پس منظر میں 'چشمۂ آفتاب' کی ترکیب یہ انکشاف کرتی ہے کہ

۱:۳:۶۔جلال وجمال عینِ یکدیگر ہیں۔

۶:۳:۲۔ جمال، جلال ہی کا تعین ہے۔

۶:۳:۳۔ جلال، جمال کا مقوّم ہے۔

۶:۳:۴۔ جمال، ظہور ہے اور جلال، مایۂ ظہور۔

۶:۴۔ 'آفتاب' حق ہے اور 'چشمہ' حرکتِ حبّی کا مقام جو اصل ظہور اور مایۂ تعین ہے۔

۶:۵۔ 'دشت' یعنی دشت مدینہ یا صحرائے حجاز یا سرزمین اسلام کی رعایت سے 'چشمۂ آفتاب' ذہن کو آنحضرت صلی اللہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کی طرف بھی منتقل کرتا ہے۔ نیز یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے عالمگیر پیغام کی بھی علامت ہے جس نے کائنات کو حق کی روشنی سے روشن اور حق کی گرمی سے زندہ کر دیا۔ (مولانا رومؒ کا ارشاد ہے:

کارِ مرداں روشنی و گرمی است

۶:۵:۱۔ 'چشمۂ آفتاب' سے جو معانی نکلتے ہیں، انھیں آپس میں مربوط اور ہم آہنگ کر دیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں حق کے ظہور اور فیضان کا سلسلہ اس شان سے تمام ہو گیا ہے کہ قیامت تک حق کا جو بھی ظہور اور فیضان ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حوالے سے ہوگا۔ یعنی حق اور حق کا مظہرِ اکمل وآخر، مراتب کے لازمی امتیاز کے ساتھ، ہم معنی ہیں۔

۷۔ 'نور': اس کے کئی مطالب ہیں، جن میں سے چند اس شعر کی تفہیم میں کارآمد ہیں:

۷:۱۔ تجلی، اللہ کا نور جس نے کائنات کو بھی ظاہر کر رکھا ہے۔

۷:۲۔ روح جمال، حسنِ ازل کی روشنی۔

۷:۳۔ دل اور آنکھ کو منوّر کر دینے والا نور، چیزوں کے ظاہر و باطن کو چمکانے والی روشنی۔

۷:۴۔ معرفت اور محبت کا اجالا

تکنیکی اور فنّی محاسن:

۱۔ 'قلب ونظر' کا ذوقِ دید جدا جدا ہے۔ چونکہ حقیقت سادہ اور صورت رنگین ہوتی ہے لہٰذا قلب کو سادگی درکار ہے اور نظر کو رنگینی۔ 'دشت' اپنی سادگی کی وجہ سے 'قلب' کا تقاضا پورا کرتا ہے، اور 'صبح' اپنی رنگینی کے ساتھ 'نظر' کا۔

۱:۱۔ 'قلب ونظر کی زندگی': یعنی 'قلب' کے ذاتی اقتضا اور 'نظر' کے وجودی

مطالبے کی تکمیل۔ حقیقت کا مشاہدہ مظاہر کے ذریعے سے مگر مظاہر سے ماورا، 'قلب' کی زندگی ہے، اور مظاہر کا نظارہ جو 'قلب' کی خوے دید سے ہم آہنگ ہو، 'نظر' کی۔ 'قلب' کا دیکھنا چونکہ مظاہر تک محدود نہیں ہے لہٰذا اس میں بننے والے مناظر اُن حدود میں نہیں سماتے جو 'نظر' پر لاگو ہوتے ہیں۔ 'نظر' اس بات کی پابند ہے کہ چیزوں کو موجودہ اور فوری زمانی مکانی تناظر میں دیکھے، لیکن 'قلب' انھیں 'ابھی/یہیں' کی قید سے نکال کر دیکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ 'دشت میں صبح کا سماں' 'نظر' کے لیے محض ایک جاں فزا منظر ہے مگر 'قلب' اس منظر کی تشکیلِ نو کر کے اس کے دونوں اجزا، یعنی 'دشت' اور 'صبح' کو ایسا سیاق وسباق فراہم کرتا ہے جہاں 'دشت' بھی اپنے معنوی منتہا کو پہنچ جاتا ہے اور 'صبح' بھی۔ تاہم 'سماں' سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ وہ منتہا اپنی ماہیت میں تاریخیت کے عنصر سے خالی نہیں ہوگا۔ یہ باتیں ذہن میں رکھ کر دیکھیں تو......

۱:۱:۱۔ 'دشت'، مدینہ یا عرب ہے،
'صبح کا سماں'، عہدِ رسالت ہے،
'چشمۂ آفتاب'، ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور
'نور کی ندّیاں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض و رحمت کا بہاؤ ہے جو آفاقی اور دائمی ہے۔

۲:۱:۱۔ 'دشت' = کائنات + 'صبح کا سماں' = ظہورِ اسلام + 'چشمۂ آفتاب' = رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ جو حق کا واحد اور مستقل مظہر ہے + 'نور کی ندّیاں' = ہدایت/ معرفت/ محبت/ خشیت، نیز قرآن وسنت (مزید دیکھیے شق ۶ اور ذیلی شقیں)

۲۔ یہ بتانے کے لیے کہ 'قلب ونظر' کا ہدف مشترک ہے، ان کی زندگی کا سبب اور محرّک ایک ہی دکھایا گیا ہے: 'دشت میں صبح کا سماں'۔

۱:۲۔ 'زندگی' اور 'سماں' میں وقت مشترک ہے۔

۲:۲۔ 'قلب ونظر کی زندگی' اور 'دشت میں صبح کا سماں' میں قلب ونظر/ دشت اور زندگی/ صبح کا سماں' میں ایک خاص ہم معنویت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ یعنی صبح کا سماں، قلب ونظر کی زندگی ہے اور دشت کی بھی۔

۳:۲۔ 'دشت میں صبح کا سماں' وجود کے زمانی۔ مکانی اصول کا عکاس ہے۔ 'دشت' = مکاں + 'صبح' = زماں + 'سماں' = وقت/منظر۔ یہ لفظ زمان و مکاں کی

وحدت کے ظہور پر دلالت کرتا ہے۔
۳۔حق ہی جمال ہے، جس کا مشاہدہ 'قلب ونظر کی زندگی' ہے۔ اس کا ظہور (صبح) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین (دشت) ہی میں بتمام وکمال ہوا ہے۔ یہ مشاہدہ یا یقین میسر نہ ہو تو قلب مردہ ہے اور نظر اندھی۔
۴:'قلب' کی زندگی حرارت پر موقوف ہے اور 'نظر' کی روشنی پر۔'چشمۂ آفتاب' دونوں کا سرچشمہ ہے۔
۵۔'قلب ونظر' اور 'چشمۂ آفتاب' میں کچھ مناسبتیں ظاہر ہیں' مثلاً
۱:۵۔ عاشق کامل' محبوب کے روبرو بھی اس حال میں ہوتا ہے کہ آنکھ چشمے کی طرح ٹھنڈی اور دل آفتاب کی طرح سوزاں۔
۲:۵۔ وصال ہو یا فراق' عاشق کی آنکھ رونے کے لیے ہوتی ہے (چشمہ) اور دل جلنے کے لیے (آفتاب)۔ بالفاظ دیگر چشمے کی طرح آنکھ کا بھی مدار پانی پر ہے اور آفتاب کی طرح دل بھی آگ سے عبارت ہے۔
۳:۵۔......'چشمۂ' اور 'نظر'، 'نظر' یعنی 'چشم' کی مشابہت ظاہر ہے۔
۴:۵۔ قلب ونظر ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ مشاہدہ کرنے والوں کے اس بنیادی تضاد کو رفع کرنے کے لیے ضروری تھا کہ خود مشہود کے جلال و جمال میں پائے جانے والے فاصلے کو ختم کر کے اِنھیں ایک ترکیب میں ڈھال دیا جائے۔ 'چشمۂ آفتاب' کی ترکیب آگ پانی کا میل ہے جس نے 'قلب ونظر' کا اتحاد ممکن بنا دیا۔
۶۔'چشمۂ آفتاب' کائنات کے لیے منبع نشوونما ہے۔'چشمۂ' کا لفظ اسی رعایت سے آیا ہے کہ 'آفتاب' کو وجود کی کھیتی سیراب کرنے والے کی حیثیت سے دکھایا جا سکے۔
۱:۶۔ چونکہ 'دشت' یعنی صحرا میں پانی نہیں ہوتا اور یہاں کا آئین نمو اور ہے' لہٰذا اس کی سیرابی کے لیے 'نور کی ندّیاں' درکار تھیں جو چشمۂ آفتاب ہی سے نکل سکتی ہیں۔

'دشت' اور 'صبح کا سماں' میں ایک دقیق مناسبت یہ ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک میں مکان منہا ہو کر ایک لا مکانی سادگی' ارتکاز اور سکوت پیدا ہو گیا ہے اور دوسرے میں وقت صفر ہو کر ایک لا زمانی ٹھہراؤ' گہرائی اور وسعت متشکل ہو گئی ہے۔ دونوں میں حرکت اور کثرت معدوم ہے جو زمان و مکاں کی

پہچان ہے۔

۱:۷۔ زمان و مکاں یا حرکت و کثرت چونکہ 'قلب' کی نہیں بلکہ 'نظر' کی ضرورت ہیں' لہٰذا اس کی رعایت رکھتے ہوئے نور کی یہاں 'ندیاں رواں' ہیں۔ یہاں کثرت بھی ہے اور حرکت بھی' مگر وہ چیز جس سے ان کی تشکیل ہوئی ہے یعنی 'آفتاب' اور وہ' جوان سے تشکیل پاتی ہے' یعنی 'صبح' واحد ہے اور ساکن۔

۸۔ ندّ یاں میں دال کی آواز ماقبل حرف کے زبر سے دب کر رُک جاتی ہے اور پھر مکسور حالت (یعنی زیر لگنے کی حالت) میں 'یاں' کی مدد سے دوبارہ اس طرح بلند ہوتی ہے کہ لہریں لیتی ہوئی روانی اور ساتھ ہی ایک گہری گونج سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ صوتی تصویر کشی کا کمال ہے۔

نثری ترجمانی

مدینے کے صحرا میں طلوع صبح کا منظر' دل اور آنکھ کو زندہ کر دیتا ہے۔ لگتا ہے کہ سورج کے چشمے سے نور کی نہریں نکل رہی ہیں اور صحرا کے ساتھ ساتھ قلب و نظر کو بھی سیراب کر رہی ہیں۔ یہ دشت' یہ صبح' یہ منظر اور یہ سورج کائنات میں کہیں اور نہیں مل سکتے۔ یہ ساعت اور یہ مقام' جہاں یہ سب چیزیں یکجا ہیں، زمان و مکاں کی اس قبیل سے نہیں ہے جس کے ہم عادی ہیں۔ اس آن اور اس جگہ میں جو پھیلاؤ' گہرائی اور ٹھہراؤ ہے' وہ غیر زمانی اور غیر مکانی ہے۔ اس منظر کا ہر جزو اپنی حقیقت کا مکمل اظہار ہے۔ صورت اتنی مکمل ہے کہ معنی بن گئی ہے اور معنی اتنے ظاہر ہیں کہ صورت۔ آنکھ نے اپنا منتہائے دید پالیا اور قلب نے اپنا۔ سورج سے جو گویا اس منظر کا نقاش ہے' روشنی کے وہ دھارے پھوٹ رہے ہیں کہ دل کو وہ نور مل گیا جو اس کے تقاضائے دید کی تکمیل کے لیے درکار تھا اور آنکھ کو وہ جوت میسر آ گئی جو اس کی طلب نظارہ کو پورا کر سکتی تھی۔ یہی نہیں، بلکہ نور کی ان ندیوں نے ہر شے کی ایسی آبیاری کی کہ حقیقت کا بیج جو ان کے اندر بالکل نظر انداز ہو کر پڑا ہوا تھا' یکلخت پورا درخت بن کر سامنے آ گیا...... اتنا سامنے کہ آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے۔ سورج کی یہ روشنی سارے پر پڑ رہی ہے اور اس معجزانہ انداز سے کہ دیکھنے والے' دیکھے جانے والے اور خود دیکھنے کا عمل' گھل مل کر ایک ہی منظر میں ڈھل گئے ہیں...... دشت میں طلوع صبح کا منظر' انمٹ اور لامحدود۔

تمھیں کچھ پتہ ہے کہ
قلب ونظر کی زندگی کیا ہے؟
دشت کیا ہے؟
صبح کا سماں کیا ہے؟
چشمۂ آفتاب کیا ہے؟
نور کی ندیاں کیا ہیں؟

قلب ونظر کی زندگی، دیکھنا ہے۔قلب کا دیکھنا' صورت کی حقیقت کا مشاہدہ ہے اورنظر کا دیکھنا،حقیقت کی صورت کا مشاہدہ ہے۔

دشت وہ جگہ ہے جہاں صورت کی حقیقت اور حقیقت کی صورت جلوہ گر ہوئی۔

صبح کا سماں اسی جلوہ گری کا سماں ہے۔

چشمۂ آفتاب وہی صورت کی حقیقت اور حقیقت کی صورت ہے جو صبح کے وقت دشت میں جلوہ گر ہوئی۔

نور کی ندّیاں' چشمۂ آفتاب کے آثار ہیں جو اسے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ یہ جاننے کے بعد سارا منظر یوں رونما ہوتا ہے کہ نواحِ مدینہ میں جو ابھی اپنے اصلی ماحول سے محروم نہیں ہوا' صبح ہوتے ہوئے دیکھ کر دل میں زمانۂ رسالت کا نقشہ بن جاتا ہے جو اس قدر واضح ہے کہ گویا آنکھ بھی اسے دیکھ لیتی ہے۔ سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور جمالِ حق کے انوار موجزن ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس سیلِ نور میں غرق ہے۔ دل اور آنکھ' دونوں کا یہی کہنا ہے کہ حقیقی زندگی تو ہمیں آج نصیب ہوئی ہے۔ ہم نے اس مظہرِ حق کے یقینی آثار مشاہدہ کیے ہیں جس کو دیکھنے والے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے حق کو بھی دیکھا ہے اور حق کے جمالِ ازلی کو بھی۔